# منشی پریم چند

(۱۸۸۰ء............۱۹۳۶ء)

پریم چند کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ ضلع بنارس کے ایک گاؤں ملہی میں پیدا ہوئے۔ والد منشی عجائب لال ڈاک خانے میں ملازم تھے۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد ایک سکول میں مدرس ہو گئے۔ ۱۹۰۰ء میں گورنمنٹ مڈل سکول سے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے کر لیا۔ ۱۹۲۱ء میں ملازمت سے استعفادے دیا اور مکمل طور پر علمی وادبی کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ۱۹۳۶ء میں انجمنِ ترقی پسند مصنّفین کے پہلے اجلاس کی صدارت کی اور اسی سال بنارس میں وفات پائی۔

پریم چند نے اپنی تحریروں میں ہندوستان کے دیہات میں بسنے والے مزدوروں اور کسانوں کی زندگی اور ان کے مسائل کامیابی کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ اُن کے افسانوں میں نیکی تمام تر مشکلات کے باوجود بدی کے مقابلے میں غالب رہتی ہے۔ ان کی زبان سادہ ہے۔ انھوں نے مقامی واقعات اور حقائق کو موضوع بنا کر تحریروں میں مقامی رنگ بھی پیدا کیا ہے۔ ان کی تحریروں کی بنیاد معاشرتی مسائل، نفسیاتی مطالعہ اور مشاہدہ پر ہے۔ ان کے کردار زیادہ تر مثالی ہیں، جن میں تنوع پایا جاتا ہے۔ انھوں نے قریباً ہر عمر اور پیشے سے متعلق کردار پیش کیے ہیں۔

پریم چند کا شمار اُردو کے اوّلین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں کے مجموعوں میں: ''سوزِ وطن''، ''پریم پچیسی''، ''پریم چالیسی''، ''زادِ راہ'' اور ''واردات'' زیادہ اہم ہیں۔ انھوں نے افسانوں کے علاوہ ناول بھی لکھے، جس میں: ''میدانِ عمل''، ''بازارِ حسن'' اور ''گئودان'' کو زیادہ شہرت ملی۔

منشی پریم چند

# پنچایت

## مقاصد تدریس

۱۔ طلبہ کو پنچایت کے مفہوم اور اہمیت سے آگاہ کرنا۔

۲۔ طلبہ کو عدل وانصاف اور حق وصداقت کی فضیلت سے روشناس کرانا۔

۳۔ دیہاتی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے طلبہ کو متعارف کرانا۔

۴۔ یہ بتانا کہ صنفِ افسانہ کس طرح زندگی کی حقیقتوں سے وابستہ ہے۔

جُمّن شیخ اور الگو چودھری میں بڑا یارانہ تھا۔ ساجھے میں کھیتی ہوتی، لین دین میں بھی کچھ ساجھا تھا۔ ایک کو دوسرے پر کامل اعتماد تھا۔ جمن جب حج کرنے گئے تھے تو اپنا گھر الگو کو سونپ گئے تھے اور الگو جب باہر جاتے تو جمن پر اپنا گھر چھوڑ دیتے۔ اس دوستی کا آغاز اسی زمانہ میں ہوا، جب دونوں لڑکے جمن کے پدرِ بزرگوار شیخ جمعراتی کے روبرو زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔ الگو نے استاد کی بہت خدمت کی؛ خوب رکابیاں مانجھیں؛ خوب پیالے دھوئے۔ ان کا حُقّہ دم نہ لینے پاتا تھا۔ ان کے باپ پُرانی وضع کے آدمی تھے۔ تعلیم کے مقابلے میں انھیں استاد کی خدمت پر زیادہ بھروسا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے: استاد کی دعا چاہیے، جو کچھ ہوتا ہے، فیض سے ہوتا ہے اور اگر الگو پر استاد کے فیض یا دعاؤں کا اثر نہ ہوا تو اسے تسکین تھی کہ تحصیلِ علم کا کوئی دقیقہ اس نے فروگزاشت نہیں کیا۔ علم اس کی تقدیر ہی میں نہ تھا۔ شیخ جمعراتی خود دعا اور فیض کے مقابلے میں تازیانے کے زیادہ قائل تھے اور جمّن پر اس کا بے دریغ استعمال کرتے تھے۔ اسی کا یہ فیض تھا کہ آج جمن کی قرب وجوار کے مواضعات میں پرسش ہوتی تھی۔ شیخ جمن کی ایک بوڑھی بیوہ خالہ تھیں۔ ان کے پاس کچھ تھوڑی سی ملکیت تھی مگر غریب کا وارث کوئی نہ تھا۔ جمن نے وعدے وعید کے سبز باغ دکھا کر خالہ اماں سے وہ ملکیت اپنے نام کرالی تھی۔ جب تک ہبہ نامہ پر رجسٹری نہ ہوئی تھی، خالہ جان کی خوب خاطر داریاں ہوتی تھیں۔ خوب میٹھے لقمے، چٹ پٹے سالن کھلائے جاتے تھے مگر پگڑی کی مہر ہوتے ہی اس کی خاطر داریوں پر بھی مہر ہوگئی۔ جمن کی اہلیہ بی فہمین نے رفتہ رفتہ سالن کی مقدار روٹیوں سے کم کر دی۔ کچھ دنوں تک خالہ جان نے اور دیکھا، مگر جب برداشت نہ ہوئی، تو جمن سے شکایت کی۔ جمن صلح پسند آدمی تھا۔ اب اس معاملے میں مداخلت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کچھ دن تو رو دھو کر کام چلا۔ آخر ایک روز خالہ جان نے جمن سے کہا:

”بیٹا! تمھارے ساتھ میرا نباہ نہ ہوگا۔ تم مجھے روپے دے دیا کرو، میں اپنا الگ پکا لوں گی۔“

جمن نے بے اعتنائی سے جواب دیا: ”روپیا کیا یہاں پھلتا ہے؟“

خالہ جان نے بگڑ کر کہا: ''تو مجھے نان نمک چاہیے یا نہیں؟''

جمن نے مظلومانہ انداز سے جواب دیا: ''چاہیے کیوں نہیں میرا خون چوس لو، کوئی یہ تھوڑے ہی سمجھتا تھا کہ تم خواجہ خضر کی حیات لے کر آئی ہو۔''

خالہ جان اپنے مرنے کی بات نہیں سُن سکتی تھیں۔ جامے سے باہر ہو کر پنچایت کی دھمکی دی۔ جمن ہنسے۔ وہ فاتحانہ ہنسی، جو شکاری کے لبوں پر ہرن کو جال کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر نظر آتی ہے۔ ہاں ہاں! ضرور پنچایت کرو، فیصلہ ہو جائے، مجھے بھی دن رات کا وبال پسند نہیں۔

پنچایت کی صدا کس کے حق میں اُٹھے گی؟ اس کے متعلق شیخ جمن کو اندیشہ نہیں تھا۔ قرب و جوار میں ایسا کون تھا، جو ان کا شرمندۂ منّت نہ ہو؟ کون تھا جو ان کی دشمنی کو حقیر سمجھے؟ کس میں اتنی جرأت تھی جو ان کے سامنے کھڑا ہو سکے؟ آسمان کے فرشتے تو پنچایت کرنے آئیں گے نہیں۔

اس کے بعد کئی دن تک بوڑھی خالہ لکڑی لیے، آس پاس کے گاؤں کے چکّر لگاتی رہیں۔ کمر جھک کر کمان ہو گئی تھی۔ ایک قدم چلنا مشکل تھا، مگر بات آ پڑی تھی، اس کا تصفیہ ضروری تھا۔ شیخ جمن کو اپنی طاقت، رسوخ اور منطق پر کامل اعتماد تھا۔ وہ کسی کے سامنے فریاد کرنے نہیں گئے۔

بوڑھی خالہ نے اپنی دانست میں تو گریہ وزاری کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، خوبیٔ تقدیر کوئی اس طرف مائل نہ ہوا۔ کسی نے تو یوں ہی ہاں ہوں کر کے ٹال دیا؛ کسی نے زخم پر نمک چھڑک دیا۔ چاروں طرف سے گھوم گھام کر بڑھیا الگو چودھری کے پاس آئی۔ لاٹھی پٹک دی اور دَم لے کر کہا:

''بیٹا! تم بھی گھڑی بھر کو میری پنچایت میں چلے آنا۔''

الگو بے رُخی سے بولے: ''مجھے بلا کر کیا کرو گی۔ کئی گاؤں کے آدمی تو آئیں گے ہی۔''

خالہ نے ہانپ کر کہا: ''اپنی پھریاد تو سب کے کان میں ڈال آئی ہوں، آنے نہ آنے کا حال اللہ جانے۔''

الگو نے جواب دیا: ''یوں آنے کو میں بھی آ جاؤں گا، مگر پنچایت میں منھ نہ کھولوں گا۔''

خالہ نے حیرت سے پوچھا: ''کیوں بیٹا!''

الگو نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا: ''اب اس کا کیا جواب؟ اپنی اپنی طبیعت، جمن میرے پرانے دوست ہیں، اس سے بگاڑ نہیں کر سکتا۔''

خالہ نے تاک کر نشانہ مارا: ''بیٹا! کیا بگاڑ کے ڈر سے ایمان کی بات نہ کہو گے؟''

شام کو ایک پیڑ کے نیچے پنچایت بیٹھی۔ ٹاٹ بچھا ہوا تھا۔ حُقّہ پانی کا بھی انتظام تھا۔ یہ سب شیخ جمن کی مہمان نوازی تھی۔ وہ خود الگو چودھری کے ساتھ دُور بیٹھے حُقّہ پی رہے تھے۔ جب پنچایت پوری بیٹھ گئی، تو بوڑھی بی نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا:

''پنچو! آج تین سال ہوئے، میں نے اپنی سب جائیداد اپنے بھانجے جمن کے نام لکھ دی تھی، اسے آپ لوگ جانتے ہوں گے۔ جمن نے مجھے تاحینِ حیات روٹی کپڑا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ سال چھ مہینے تو میں نے ان کے ساتھ کسی طرح رو دھو کر کاٹے مگر اب مجھ سے رات دن کا رونا نہیں سہا جاتا۔ مجھے پیٹ کی روٹیاں تک نہیں ملتیں۔ بے کس بیوہ ہوں۔ تھانہ کچہری کر نہیں سکتی، سوائے تم لوگوں کے اور کس سے اپنا دکھ درد روؤں۔ تم لوگ جو راہ نکال دو، اس راہ پر چلوں، اگر میری بُرائی دیکھو، میرے مُنھ پر تھپڑ مارو، جمن کی بُرائی دیکھو، تو اسے سمجھاؤ۔ کیوں ایک بے کس کی آہ لیتا ہے؟''

رام دھن مصر بولے: ''جمن میاں پنچ کسے بدتے ہو؟ ابھی سے طے کرلو۔''

جمن نے حاضرین پر ایک اڑتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ دلیرانہ انداز سے کہا:

''خالہ جان جسے چاہیں، پنچ بنائیں، مجھے عُذر نہیں ہے۔''

خالہ نے چلا کر کہا: ''ارے! اللہ کے بندے، تو پنچوں کے نام کیوں نہیں بتا دیتا؟''

جمن نے بڑھیا کو غضبناک نگاہوں سے دیکھ کر کہا:

''اب اس وقت میری زبان نہ کھلواؤ، جسے چاہو، پنچ بنا دو۔''

خالہ نے جمن کے اعتراض کو تاڑ لیا۔ بولیں: ''بیٹا! خدا سے ڈر۔ میرے لیے کوئی اپنا ایمان نہ بیچے گا، اتنے بھلے آدمیوں میں کیا سب تیرے دشمن ہیں؟ اور سب کو جانے دو، الگو چودھری کو تو مانے گا؟''

جمن فرطِ مسرت سے باغ باغ ہو گئے، مگر ضبط کر کے بولے:

''الگو چودھری ہی سہی، میرے لیے جیسے رام دھن مصر، ویسے الگو، کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔''

الگو بغلیں جھانکنے لگے۔ اس جھمیلے میں نہیں پھنسنا چاہتے تھے۔ معترضانہ انداز سے کہا:

''بوڑھی ماں! تم جانتی ہو کہ میری اور جمن کی گاڑھی دوستی ہے۔''

خالہ نے جواب دیا:

''بیٹا دوستی کے لیے کوئی اپنا ایمان نہیں بیچتا۔ پنچ کا حکم اللہ کا حکم ہے۔ پنچ کے مُنھ سے جو بات نکلتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے نکلتی ہے۔''

الگو چودھری نے کہا:

''شیخ جمن! ہم اور تم پرانے دوست ہیں۔ جب ضرورت پڑی ہے، تم نے میری مدد کی ہے اور ہم سے بھی جو بَن پڑا ہے، تمھاری خدمت کرتے آئے ہیں مگر اس وقت نہ تم ہمارے دوست ہو اور نہ ہم تمھارے دوست۔ یہ انصاف اور ایمان کا معاملہ ہے۔ خالہ جان نے پنچوں سے اپنا حال کہ سنایا۔ تم کو بھی جو کچھ کہنا ہو، کہو۔''

جمن ایک شانِ فضیلت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے: ''پنچو! میں خالہ جان کو اپنی ماں کی بجائے سمجھتا ہوں اور ان کی

خدمت میں کوئی کسر نہیں رکھتا۔ ہاں! عورتوں میں ذرا اَن بَن رہتی ہے، اس میں مَیں مجبور ہوں۔ عورتوں کی تو یہ عادت ہی ہے مگر ماہوار روپیا دینا میرے قابو سے باہر ہے۔ کھیتوں کی جو حالت ہے وہ کسی سے چھپی نہیں۔ آگے پنچوں کا حکم سر اور ماتھے پر ہے۔''

الگو کو آئے دن عدالت سے واسطہ رہتا تھا۔ قانونی آدمی تھے۔ جمن سے جرح کرنے لگے۔ ایک ایک سوال جمن کے دل پر ہتھوڑے کی ضرب کی طرح لگتا تھا۔ جمن حیرت میں تھے کہ الگو کو کیا ہو گیا ہے۔ ابھی تو یہ میرے ساتھ بیٹھا کیسے مزے مزے کی باتیں کر رہا تھا۔ اتنی دیر میں ایسی کایا پلٹ ہو گئی کہ میری جڑ کھودنے پر آمادہ ہے، اچھی دوستی نباہی۔

جرح ختم ہونے کے بعد الگو نے فیصلہ سنایا۔ لہجہ نہایت سنگین اور تحکمانہ تھا: ''شیخ جمن! پنچوں نے اس معاملے پر اچھی طرح غور کیا۔ زیادتی سراسر تمھاری ہے۔ کھیتوں سے معقول نفع ہوتا ہے۔ تمھیں چاہیے کہ خالہ جان کے ماہوار گزارے کا بندوبست کر دو۔ اس کے سوائے اور کوئی صورت نہیں اگر تمھیں یہ منظور نہیں، تو ہبہ نامہ منسوخ ہو جائے گا۔''

جمن نے فیصلہ سنا اور سنّاٹے میں آ گیا۔ احباب سے کہنے لگا:

''بھئی! اس زمانے میں یہی دوستی ہے کہ جو اپنے اوپر بھروسا کرے، اس کی گردن پر چُھری پھیری جائے۔''

اس فیصلے نے الگو اور جمن کی دوستی کی جڑیں ہلا دیں۔ تناور درخت حق کا ایک جھونکا بھی نہ سہہ سکا۔ وہ اب بھی ملتے تھے مگر وہ تیر و سپر کی طرح۔ جمن کے دل سے دوست کی غدّاری کا خیال دور نہ ہوتا تھا اور انتقام کی خواہش چین نہ لینے دیتی تھی۔ خوش قسمتی سے موقع بھی جلد مل گیا۔ الگو چودھری پچھلے سال میلے سے بیلوں کی ایک اچھی گوئیاں مال لائے تھے۔ پچھائیں نسل کے خوبصورت بیل تھے، مہینوں تک قرب و جوار سے لوگ انھیں دیکھنے آتے رہے۔

اس پنچایت کے ایک مہینا بعد ایک بیل مر گیا۔ جمن نے اپنے دوستوں سے کہا: ''یہ دغا بازی کی سزا ہے۔ انسان صبر کر جائے، مگر خدا نیک و بد دیکھتا ہے۔ الگو کو اندیشہ ہوا کہ جمن نے اسے زہر دلوایا ہے۔ اس کے برعکس چودھرائن کا خیال تھا کہ اس پر کچھ کرایا گیا ہے۔ چودھرائن اور فہمین میں ایک دن زور و شور سے ٹھنی؛ دونوں خواتین نے روانیِ بیان کی ندی بہادی؛ تشبیہات اور استعاروں میں باتیں ہوئیں۔ بارے جمن نے آگ بجھا دی۔ بیوی کو ڈانٹا اور رزم گاہ سے ہٹا لے گیا۔ اِدھر الگو چودھری نے اپنے ڈنڈے سے چودھرائن کی شیریں بیانی کی داد دی۔

ایک بیل کس کام کا۔ اس کا جوڑا بہت ڈھونڈا مگر نہ ملا۔ ناچار اسے بیچ ڈالنے کی صلاح ہوئی۔ گاؤں میں ایک سمجھو سیٹھ تھے، وہ یکہ گاڑی ہانکتے تھے۔ گاؤں میں گڑ، گھی بھرتے اور منڈی لے جاتے۔ منڈی سے تیل نمک لاد کر لاتے اور گاؤں میں بیچتے تھے۔ اس بیل پر ان کی طبیعت لہرائی، سوچا: اسے لے لوں، دام کے لیے ایک مہینے کا وعدہ ہوا۔ چودھری بھی غرض مند تھے، گھاٹے کی کچھ پروا نہ کی۔

سمجھو نے نیا بیل پایا، تو پاؤں پھیلائے، دن میں تین تین چار چار کھیوے کرتے۔ نہ چارے کی فکر تھی، نہ پانی کی، بس کھیوں سے کام تھا۔ منڈی لے گئے، وہاں کچھ سوکھا بُھس ڈال دیا اور غریب جانور ابھی دَم بھی نہ لینے پاتا تھا کہ پھر جوت دیا۔

مہینے بھر میں بیچارے کا کچومر نکل گیا۔ یکے کا جُوا دیکھتے ہی بے چارے کا ہاؤ چھوٹ جاتا؛ ایک ایک قدم چلنا دوبھر تھا؛ ہڈیاں نکل آئی تھیں، لیکن اصیل جانور، مار کی تاب نہ تھی۔ ایک دن چوتھے کھیوے میں سیٹھ جی نے دونا بوجھ لادا، دن بھر کا تھکا جانور، پیر مشکل سے اٹھتے تھے۔ اس پر سیٹھ جی کوڑے رسید کرنے لگے۔ بیل جگر توڑ کر چلا۔ کچھ دور دوڑا۔ چاہا کہ ذرا دم لے، ادھر سیٹھ جی کو جلد گھر پہنچنے کی فکر، کئی کوڑے بے دردی سے لگائے۔ بیل نے ایک بار پھر زور لگایا، مگر طاقت نے جواب دے دیا۔ زمین پر گر پڑا اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا۔ کئی بورے گڑ اور کئی کنستر گھی کے بیچے تھے۔ دو چار سو روپے کمر میں بندھے ہوئے تھے۔ گاڑی پر کئی بورے نمک کے تھے، چھوڑ کر جا بھی نہ سکتے تھے۔ گاڑی پر لیٹ گئے، وہیں رت جگا کرنے کی ٹھان لی اور آدھی رات تک دل کو بہلاتے رہے۔ حقّہ پیا، گایا، پھر حقّہ پیا، آگ جلائی، تاپا۔ اپنی دانست میں تو وہ جاگتے ہی رہے، مگر جب پوہ پھٹی چونکے اور کمر پر ہاتھ رکھا، تو تھیلی ندارد۔ کلیجہ سن سے ہو گیا، کمر ٹٹولی، تھیلی کا پتا نہ تھا۔ گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا، کئی کنستر تیل کے بھی غائب تھے۔ سر پیٹ لیا، پچھاڑیں کھانے لگے۔ صبح کو بہ ہزار خرابی گھر پہنچے۔

سیٹھانی جی نے جب یہ الم ناک حادثہ سنا، تو چھاتی پیٹ لی۔ پہلے تو خوب روئیں، تب الگو چودھری کو گالیاں دینے لگیں۔ حفظِ ماتقدّم کی سُوجھی: نگوڑے نے ایسا منحوس بیل دیا کہ سارے جنم کی کمائی لٹ گئی۔

اس واقعے کو کئی ماہ گزر گئے۔ الگو جب اپنے بیل کی قیمت مانگتے، تو سیٹھ اور سیٹھانی دونوں جھلائے ہوئے کُتّوں کی طرح چڑھ بیٹھتے۔ یہاں تو سارے جنم کی کمائی مٹی میں مل گئی۔ فقیر ہو گئے۔ انھیں دام کی پڑی ہے۔ مردہ منحوس بیل دیا تھا، اس پر دام مانگتے ہیں۔ آنکھ میں دھول جھونک دی۔ مرا ہوا بیل گلے باندھ دیا۔ صبر نہ ہوتا ہو، تو ہمارا بیل کھول لے جاؤ۔ مہینے کے بدلے، دو مہینے جوت لو اور کیا لو گے؟ اس فیاضانہ فیصلے کے قدر دان حضرات کی بھی کمی نہ تھی۔ اس طرح جھڑپ سُن کر چودھری لوٹ آتے، مگر ڈیڑھ سو روپے سے اس طرح ہاتھ دھو لینا آسان کام نہ تھا۔

ایک بار وہ بھی بگڑے، سیٹھ جی گرم ہو پڑے۔ سیٹھانی جی جذبے کے مارے گھر سے نکل پڑیں؛ سوال و جواب ہونے لگے؛ خوب مباحثہ ہوا، مجادلے کی نوبت آ پہنچی۔ سیٹھ جی نے گھر میں گھُس کر کواڑ بند کر لیے۔ گاؤں کے کئی معزز آدمی جمع ہو گئے۔ دونوں فریق کو سمجھایا۔ سیٹھ سمجھو کو دلاسا دے کر گھر سے نکالا اور صلاح دی کہ آپس میں سر پھٹول سے کام نہ چلے گا۔ اس سے کیا فائدہ، پنچایت کر لو جو کچھ طے ہو جائے اسے مان جاؤ۔ سیٹھ جی راضی ہو گئے، الگو نے بھی ہامی بھر لی۔ فیصلہ ہو گیا۔ پنچایت کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دونوں فریق نے غول بندیاں شروع کیں۔ تیسرے دن اسی سایہ دار درخت کے نیچے پھر پنچایت بیٹھی۔

رام دھن مصر نے کہا:

"اب کیوں دیر کی جائے بولو چودھری کن کن آدمیوں کو پنچ بدتے ہو؟"

الگو نے منکسرانہ انداز میں جواب دیا:

’’سمجھو سیٹھ ہی چُن لیں۔‘‘

سمجھو سیٹھ کھڑے ہو گئے اور کڑک کر بولے:

’’میرے طرف سے شیخ جمن کا نام رکھ لو۔‘‘

الگو نے پہلا نام جمّن کا سنا تو کلیجہ دھک سے ہو گیا، گویا کسی نے اچانک تھپڑ مار دیا۔ رام دھن مصر الگو کے دوست تھے۔ تہ پر پہنچ گئے بولے: ’’چودھری تم کو، کوئی عذر تو نہیں ہے؟‘‘

چودھری نے مایوسانہ انداز سے جواب دیا ’’نہیں مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔‘‘

اس کے بعد چار نام تجویز کیے گئے۔ الگو پہلا چرکا کھا کر ہوشیار ہو گئے تھے۔ خوب جانچ کر انتخاب کیا۔ صرف سرپنچ کا انتخاب باقی تھا۔ الگو اس فکر میں تھے کہ اس مرحلے کو کیوں کر طے کروں کہ یکا یک سمجھو سیٹھ کے ایک عزیز گوڈر شاہ بولے:

’’سمجھو بھائی سرپنچ کسے بناتے ہو؟‘‘

سمجھو کھڑے ہو گئے اور اکڑ کر بولے: ’’شیخ جمن کو۔‘‘

رام دھن مصر نے چودھری کی طرف ہمدردانہ انداز سے دیکھ کر پوچھا: ’’الگو تمھیں کوئی عذر ہو تو بولو۔‘‘

الگو نے قسمت ٹھونک لی، حسرت ناک لہجے میں بولے! ’’نہیں مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔‘‘

شیخ جمن کو بھی اپنی عظیم الشان ذمے داری کا احساس ہوا۔ اس نے سوچا، میں اس وقت انصاف کی اونچی مسند پر بیٹھا ہوں۔ میری آواز اس وقت حکمِ خدا ہے اور خدا کے حکم میں میری نیّت کو مطلق دخل نہ ہونا چاہیے۔ حق اور راستی سے جَو بھر ٹلنا بھی مجھے دنیا اور دین ہی میں سیاہ بنا دے گا۔

پنچایت شروع ہوئی، فریقین نے اپنے حالات بیان کیے، جرح ہوئی، شہادتیں گزریں۔ فریقین کے مددگاروں نے بہت کھینچ تان کی۔ جمن نے بہت غور سے سنا اور تب فیصلہ سنایا۔

’’الگو چودھری اور سمجھو سیٹھ، پنچوں نے تمھارے معاملے پر غور کیا ہے۔ سمجھو کو بیل کی پوری قیمت دینا واجب ہے۔ جس وقت بیل ان کے گھر آیا، اس کو کوئی بیماری نہ تھی۔ اگر قیمت اسی وقت دے دی گئی ہوتی تو آج سمجھو اسے واپس لینے کا ہرگز تقاضا نہ کرتے۔‘‘

رام دھن مصر نے کہا: ’’قیمت کے علاوہ ان سے تاوان بھی لیا جائے، سمجھو نے بیل کو دوڑا دوڑا کر مار ڈالا۔‘‘

جمن نے کہا: ’’اس کا اصل معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔‘‘ گوڈر شاہ نے کہا سمجھو کے ساتھ کچھ رعایت ہونی چاہیے۔ ان کا بہت نقصان ہوا ہے اور اپنے کیے کی سزا مل چکی ہے۔

جمن بولا ’’اس کا بھی اصل معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ الگو چودھری کی بھل منسی پر منحصر ہے۔‘‘ یہ فیصلہ سنتے ہی

الگو چودھری پھُو لے نہ سمائے۔

ایک گھنٹے کے بعد جمن، شیخ الگو کے پاس آئے اور ان کے گلے لپٹ کے بولے: ''بھیّا! جب سے تم نے میری پنچایت کی ہے، میں دل سے تمھارا دشمن تھا مگر آج مجھے معلوم ہوا کہ پنچایت کی مسند پر بیٹھ کر نہ کوئی کسی کا دوست ہوتا ہے اور نہ دشمن۔ انصاف کے سوا اور اسے کچھ نہیں سوجھتا۔

الگو رونے لگے، دل صاف ہو گئے، دوستی کا مُرجھایا ہوا درخت پھر سے ہرا ہو گیا۔ اب وہ چالوں کی زمین پر نہیں، حق اور انصاف کی زمین پر کھڑا تھا۔

## مشق

۱۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) جمن شیخ اور الگو چودھری میں دوستی کا آغاز کب ہوا؟

(ب) شیخ جمن کی بیوی کا خالہ کی ملکیت کے ہبہ نامے کی رجسٹری کے بعد خالہ سے کیسا سلوک تھا؟

(ج) الگو چودھری کے پنچ مقرر ہونے پر شیخ جمن کیوں خوش تھا؟

(د) الگو چودھری نے کیا فیصلہ سنایا؟

(ہ) الگو چودھری کا فیصلہ سُن کر شیخ جمن کا ردِ عمل کیا تھا؟

(و) الگو چودھری نے سمجھو سیٹھ کو بیل کیوں فروخت کیا؟

(ز) سمجھو سیٹھ نے الگو چودھری سے خریدے ہوئے بیل کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

(ح) الگو چودھری اور سمجھو سیٹھ نے کون سا تنازع پنچایت کے سامنے پیش کیا؟

(ط) شیخ جمن نے فیصلہ سُناتے ہوئے انصاف کے اصولوں کو کہاں تک پورا کیا؟

۲۔ سبق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) جمن شیخ اور الگو چودھری میں بڑا................تھا۔

(ب) جمن جب حج کرنے گئے تھے تو................الگو کو سونپ گئے تھے۔

(ج) ان کے باپ................کے آدمی تھے۔

(د) شیخ جمراتی خود دعا اور فیض کے مقابلے میں................کے زیادہ قائل تھے۔

(ر) جمن نے وعدے وعید کے................دکھا کر خالہ اماں سے وہ ملکیت اپنے نام کرالی تھی۔

(ہ) خالہ جان اپنے................کی بات نہیں سُن سکتی تھیں۔

(و) بوڑھی خالہ نے اپنی دانست میں تو.................کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

(ز) شیخ جمن کو بھی اپنی.................ذمّے داری کا احساس ہوا۔

(ح) دوستی کا.................درخت پھر سے ہرا ہو گیا۔

۳۔ سبق کو مدِّنظر رکھ کر، درست بیان کے آگے (✓) اور غلط بیان کے آگے (×) کا نشان لگائیں۔

(الف) الگو جب کبھی باہر جاتے تو جمن پر اپنا گھر چھوڑ جاتے۔

(ب) الگو کے باپ نئے انداز کے آدمی تھے۔

(ج) الگو کی ایک بوڑھی، بیوہ خالہ تھیں۔

(د) کئی دن تک بوڑھی خالہ لکڑی لیے آس پاس کے گاؤں کے چکر لگاتی رہیں۔

(ہ) جمن نے بڑھیا کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

(و) شیخ جمن اپنی خالہ کو ماں کے برابر سمجھتے تھے۔

(ز) الگو قانونی آدمی نہیں تھے۔

(ح) ایک ایک سوال جمن کے دل پر ہتھوڑے کی طرح لگتا تھا۔

(ط) پنچایت کے ایک ہفتے بعد ایک بیل مر گیا۔

(ی) سمجھو سیٹھ منڈی سے تیل نمک لاد کر لاتے اور گاؤں میں بیچتے تھے۔

(س) رام دھن نے پہلا نام جمن کا سنا تو کلیجہ دھک سے ہو گیا۔

(ص) شیخ جمن کو پنچ بن کر اپنی ذمّے داری کا احساس نہ ہوا۔

۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی لکھیے۔

ساجھا، زانوئے ادب تہ کرنا، وضع، رفتہ رفتہ، صلح پسند، تاحینِ حیات، پنچ

۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ کی مؤنث لکھیں۔

اُستاد، شیخ، چودھری، سیٹھ، بیل

۶۔ اِعراب کی مدد سے تلفّظ واضح کریں۔

زانوئے ادب، وضع، تحصیل علم، فروگزاشت، پرسش، تصفیہ، رسوخ، منطق، تحکمانہ، مباحثہ

۷۔ اس سبق کا خلاصہ لکھیں۔

۸۔ عبارت کی تشریح کریں۔ سبق کا عنوان اور مصنّف کا نام بھی لکھیں۔

"بھیّا! جب سے تم نے.................حق اور انصاف کی زمین پر کھڑا تھا۔"

۹۔ ذیل میں مختلف محاوروں کو دو دو جملوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ درست استعمال کے آگے (✓) اور غلط بیان کے آگے (×) کا نشان لگائیں:

(i) سبز باغ دکھانا: (الف) اکرم نے مجھے ملتان میں اپنے سبز باغ دکھائے۔
(ب) سیاسی لوگ سبز باغ دکھا کر عوام کو لوٹتے ہیں۔

(ii) زخم پر نمک چھڑکنا: (الف) سعد نے میرے بازو کے زخم پر نمک چھڑکا تو میری چیخیں نکل گئیں۔
(ب) آپ میرے زخم پر نمک چھڑکنے کے بجائے میری مدد کریں۔

(iii) بغلیں جھانکنا: (الف) انسب میرے سوال پر بغلیں جھانکنے لگا۔
(ب) کسی کی بغلیں جھانکنا بُری بات ہے۔

افسانہ:

''پنچایت'' پریم چند کا افسانہ ہے۔ افسانہ ایسی کہانی کو کہتے ہیں، جس میں زندگی کے کسی ایک واقعے، پہلو یا کردار کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس لیے اختصار، وحدتِ تاثر اور جامعیت اس کی بنیادی صفات ہیں۔

خط:

ہم سب دوسروں سے بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ اپنے خیالات، اپنے حالات اور اپنے جذبات میں دوسروں کو شریک کرنے کے خواہش مند رہتے ہیں۔ اگر اس خواہش کی تکمیل لکھ کر کی جائے تو اسے خط نویسی کہا جائے گا۔

خط دو قسم کے ہوتے ہیں: رسمی اور غیر رسمی

رسمی خط: وہ خط ہوتے ہیں جو کسی صاحبِ اختیار کو بھیجے جاتے ہیں اور ان میں عام طور پر اپنے حالات و مسائل سے اسے آگاہ کیا جاتا ہے اور ان مسائل کے حل کے لیے ایک طرح سے درخواست کی جاتی ہے۔ اسی لیے رسمی خط اور درخواست میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ اخبارات کے مدیروں کو لکھے گئے خطوط بھی رسمی خطوط کہلاتے ہیں۔

جب کہ غیر رسمی خطوط وہ ہیں جو اپنے دوستوں، عزیزوں، والدین اور بے تکلف جاننے والوں کو بھیجے جاتے ہیں۔ چونکہ ان خطوط میں اپنے جذبات اور خیالات کا بے ساختہ ذکر ہوتا ہے، اس لیے انھیں آدھی ملاقات بھی کہا گیا ہے۔

ایک اچھے خط کے لیے ضروری ہے کہ خط اس طرح لکھا جائے جیسے مکتوب الیہ آپ کے سامنے بیٹھا ہے اور آپ اس سے باتیں کر رہے ہیں۔ ایک اچھے خط میں بے تکلفی سے مگر مکتوب الیہ کے مرتبے اور اس سے اپنے رشتے کا لحاظ رکھ کر باتیں لکھی جاتی ہیں۔ تحریر کے حُسن کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

خط کے حصے درجِ ذیل ہوتے ہیں:

ا۔ مقامِ روانگی اور تاریخ

۲۔ القاب وآداب
۳۔ خط کا مضمون
۴۔ اختتامِ مکتوب
۵۔ مکتوب نگار کا نام
۶۔ مکتوب الیہ کا پتا

مقامِ روانگی اور تاریخ کاغذ کی پیشانی پر انتہائی دائیں جانب درج ہوتے ہیں۔ القاب وآداب، مکتوب الیہ سے اپنے تعلق اور مکتوب الیہ کے مرتبے و منصب کی نسبت سے لکھے جاتے ہیں۔ اپنے والدین کے لیے احترام و عقیدت کے القاب اختیار کیے جاتے ہیں، جب کہ دوستوں سے بے تکلفی کا اظہار ہوتا ہے۔ اختتامِ مکتوب کسی دعا پہ کرنا چاہیے اور اپنا نام خط کے آخر میں بائیں جانب صفحے پر لکھنا چاہیے۔ صفحے کے آخر پر دائیں جانب خالی جگہ پر مکتوب الیہ کا پورا پتا درج آنا چاہیے۔

سرگرمیاں:

۱۔ دوست کے نام خط لکھ کر پریم چند کے افسانے پڑھنے کا مشورہ دیں اور افسانہ ''پنچایت'' کا تعارف کرائیں۔
۲۔ اپنے استاد سے پوچھ کر پریم چند کا کوئی اور افسانہ پڑھیں۔

## اشاراتِ تدریس

۱۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ دینِ اسلام نے بھی عدل و انصاف کو بنیادی اہمیت دی ہے۔
۲۔ طلبہ کو ''پنچایت'' کے نظام سے آگاہ کریں کہ یہ کس طرح معاملات کو انجام دیتا ہے۔
۳۔ عدل و انصاف اور حق گوئی پر مبنی طلبہ کو، کوئی اور کہانی یا واقعہ سنائیں۔
۴۔ یہ افسانہ پڑھانے سے پہلے افسانوی ادب اور خصوصاً پریم چند کے افسانوں کے بارے میں معلومات دی جائیں۔